ختمی مرتبت کی سیرت کا معاشی پہلو

محمد اختر مسلم

رمضان کے مہینہ کا تعارف کراتے ہوئے اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں صرف اتنا فرمایا کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جسمیں قرآن حکیم نازل ہوا،، ۔ عظمت و احترام کے تمام گوشے ان تین چار لفظوں میں یوں سمٹ کر آ گئے ھیں جیسے آسمان کی لامحدود وسعتیں آنکھ کے تل میں سمٹ کر آ جاتی ھیں ۔ اسی طرح ربیع الاول کے مہینہ کا تعارف کرانا مقصود ھو تو صرف یہ کہہ دینا کافی ھوگا کہ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں انسانیت کاملہ کی مظہر وہ ذات قدسی صفات دنیا میں تشریف لائی جس کے سینۂ پُرنور کو قرآن حکیم کا مہبط بننا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور ربیع الاوّل ایک ھی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ھی تصویر کے دو رخ ھیں ۔ اس لئے کہ نہ تو قرآن حکیم کو ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کیا جا سکتا ہے اور نہ ھی رسالت محمدیہ ھی کسی طرح قرآن سے جدا ھو سکتی ہے ۔ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تذکار جلیلہ کی اھمیت ایسی ہے کہ سال کے ھر مہینہ اور ھر مہینہ کے ھر دن اور ھر دن کے ھر لمحہ میں اس کے مختلف پہلوؤں کو اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور پیش کیا جانا چاھئے ۔ کیونکہ حضور پُرنور نے اپنی زندگی کا ھر لمحہ انسانیت کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بالکل ایک عام انسان کی طرح گزارا ۔ بہر حال یہ بھی غنیمت ہے

کہ سال میں ایک مرتبہ تو اس تذکرہ مقدسہ کے لئے محفلیں منعقد کی جاتی ھیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ اس ذات اقدس کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ جائے ۔ مگر ان میں سے بیشتر محفلیں اس نوعیت کی ھوتی ھیں جن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ میاں نے کس طرح حضرت آدم کا پتلا تیار کیا اور پھر کس طرح نور محمدی مختلف انبیاء میں منتقل ھوتے ھوتے بطن آمنہ تک پہنچا ۔ یہاں تک پہنچنے کے بعد سلسلہ کلام ختم کر دیا جاتا ہے ۔ یعنی جہاں سے سلسلہ کلام کا آغاز ھونا چاھئے تھا وھاں اس کا اختتام ھو جاتا ہے ۔ کیونکہ نور محمدی کی ضوفشانیوں اور ضیا سامانیوں کی بدولت ھی ساری کی ساری انسانیت قرون مظلمہ کی تاریکیوں سے نکل کر علم و عرفان کی روشنی حاصل کر سکی ۔ اس کے برعکس دوسری قسم کی محفلیں وہ ھیں جن میں دنیا بھر کی عجائب پرستیوں کو اس ذات گرامی سے منسوب کیا جاتا ہے جو علم و بصیرت کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھی اور جس کی بعثت کا ایک عظیم مقصد دنیا سے جہالت و توھم پرستی کو ختم کرنا تھا ۔ بہت کم محفلیں ایسی دیکھنے میں آئیں گی جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ بھٹکی ھوئی انسانیت کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکے ۔ حالانکہ یہی وہ مقصد عظیم تھا جس کی خاطر قرآن حکیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو بین الدفتین محفوظ کر دیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بعض کم شناسوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی اکرمؐ محض ایک چٹھی رساں تھے جن کا فریضۂ منصبی یہ تھا کہ خدا کا مراسلہ طویل و قصیر کی قید سے قطع نظر بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیں، اسی طرح دوسرے گروہ نے اسی چیز کو باعث عز و شرف سمجھ لیا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ حضور نے جو کچھ کیا وہ ان مافوق الفطرت قوتوں کی وجہ سے کیا جو حضور کے لئے مختص تھیں اور اس میں ان کی ذاتی جد و جہد

اور شخصی کاوشوں کا کوئی دخل نہ تھا ۔ حالانکہ حضورختمیمرتبتؐ کا ایک عام انسان کی طرح تلاش حق میں سرگرداں رھنا اور اس جد و جہد میں اس ذات گرامی کا شغف و انہماک ھی اللہ تعالی کی طرف سے ان کی پسندیدگی و انتخاب کا باعث ھوا ۔ و وجدک ضالاً فھدی (القرآن الحکیم) ھم نے تجھے تلاش حق میں سرگرداں پایا تو تجھے راستہ دکھایا ۔ اس کا یہ نتیجہ ھوا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امت کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) بننے کی بجائے ایک ایسی دل فریب وادی نظر آنے لگی جو بظاھر حسین ہے مگر اس میں کسی انسان کا گزر بسر ناممکن ھی نہیں بلکہ محال ہے ۔ سیرت محمدیہ کے ساتھ امت مسلمہ کی یہ ناانصافی ناقابل معافی ہے ۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ ایک مکی زندگی کا دور ہے دوسرا مدنی زندگی کا ۔ مکی زندگی ترجمان ہے ان تکلیفوں ، صعوبتوں اور مشکلات کی جو پیغامبر حق کو خدا کا پیغام پہنچانے اور اسلامی خطوط پر ایک انسانی معاشرہ قائم کرنے کے سلسلے میں پیش آئیں ۔ اسی طرح مدنی زندگی اس دور کی ترجمان ہے جب آپ ایک معاشرہ کے سربراہ تھے ۔ یہ نسبتاً خوشحالی و فراغت کا دور تھا ۔ مگر اس آزادی کی نعمت کی حفاظت کی جد و جہد میں کچھ کم مصائب حائل نہیں ھوئے ۔ چنانچہ حضور کو حفاظت خوداختیاری کے لئے بہت کچھ کرنا پڑا ۔ جنگیں پیش آئیں ۔ جینے کے لالے پڑ گئے ۔ محاصروں اور ناکہ بندیوں اور اندرونی سازشوں کے طوفان اٹھ کھڑے ھوئے ۔ اور اس کے ساتھ ایک زندہ سوسائٹی کے نت نئے مسائل ۔ ایک لمحہ کے لئے فرصت میسر نہ ھوتی تھی ۔ اور آپ ھر لمحہ کسی نہ کسی الجھن کو سلجھانے میں مصروف نظر آتے ھیں ۔ چنانچہ مدنی دور میں بھی آپ نے جس انداز کی زندگی بسر کی ہے کتب تاریخ و سیر اس پر کافی روشنی ڈالتی ھیں ۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم سیرت النبی

میں لکھتے ھیں کہ :-

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت جب تک مکہ معظمہ میں تھے تو پیغمبر تھے مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگین ھو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں یہ روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جَو پر گروی تھی ۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ھوئے تھے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تمام عرب حدود شام سے لیکر عدن تک فتح ھو چکا تھا ۔ اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا تھا ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ھیں ۔

«ولا یطوی له ثوب » کبھی آپ کا کوئی کپڑا (یا جوڑا) تہہ کرکے نہیں رکھا گیا ۔ صرف ایک جوڑا کپڑا ھوتا تھا دوسرا نہیں ھوتا تھا جو تہہ کرکے رکھا جا سکتا ۔ گھر میں اکثر فاقہ رھتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سوتا تھا ۔ کان یبیت اللیالی المتتابعة طاریاً ھو و اھله لا یجدون عَشاءً ۔ آپ اور آپ کے اھل و عیال مسلسل کئی رات بھوکے رہ جاتے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ھوتا تھا ۔ پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی ۔ حضرت عائشہ نے جب ایک موقعہ پر یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گزارہ کس چیز پر تھا ۔ بولیں پانی اور کھجور پر ۔ البتہ ھمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی

لیتے تھے ۔ آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی

میدہ کبھی نظر سے نہیں گذارا ۔ سہیل بن جواس واقعہ کے راوی ھیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت کے زمانے میں چھلنیاں نہیں تھیں ۔ بولے نہیں ۔ لوگوں نے کہا پھر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے ۔ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے جو رہ جاتا تھا اسے گوندھ کر پکا لیتے تھے ۔

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ھیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے لیکر وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی ۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ھوا کہ سخت بھوکا ھوں ۔ آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ھاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو ۔ جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ۔ آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا ۔ وھاں سے بھی یہی جواب آیا ۔ مختصر یہ کہ کسی گھر میں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی ۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ھوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے ۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے ۔ غزوۂ خندق میں کفار کی ناکہ بندی کے باعث مدینہ میں اناج بے حد کمیاب تھا ۔ اور لشکر اسلام میں بھوک کا دور دورہ تھا ۔ ایک موقعہ پر دو صحابہ نے پیٹ کھول کر دکھایا ، ایک ایک پتھر بندھا تھا ۔ آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے ۔

اللہ اکبر ! سردار دو جہاں نے اپنی حکمرانی کے زمانے میں بھی عام زندگی سے ھٹ کر یعنی عامة المسلمین کی زندگی اور ان کے معیار سے برتر اور بہتر زندگی کو اختیار نہ فرمایا ۔ ھمیشہ عام لوگوں سے کم تر درجہ کے مادی

وسائل قبول کئے ۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی زندگی انتہائی عسرت کی بلکہ فقر و فاقہ کی زندگی تھی ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی زندگی کا نقشہ ایسا کیوں تھا ۔

عام طور پر بتایا جاتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے لئے فقر و فاقہ کی زندگی کو ھی پسند کیا تھا ۔ کیونکہ مرفہ الحالی اور فارغ البالی کی زندگی سے آپ کو نفرت تھی ۔ لیکن ذرا سے غور پر یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس قسم کی عسرت و افلاس اور فقر و فاقہ کی زندگی جو رھبانیت کی دوسری شکل ہے اسلام کی روح کے سراسر منافی ہے ۔ لہذا اس کی مذکورہ بالا توجیہ صحیح قرار نہیں پا سکتی ۔ کیونکہ حضور علیه الصلوۃ والسلام حسنة الدنیا اور حسنة الآخرۃ کے حصول کی دعا مانگا کرتے تھے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اس دنیا میں اچھی زندگی کی خواھش معیوب نہیں ۔ مگر وہ اپنے لوگوں سے برتر زندگی بسر کرنا پسند نہ فرماتے ۔ رھبر حقیقی کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے متبعین سے کبھی اپنے آپ کو بلند رکھنے کی کوشش نہیں کرتا ۔ چنانچہ سادگی اور شئے ہے ، اور فقر و فاقہ ایک دوسری شئے ۔ اس کی توجیہ بالکل صحیح توجیہ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتی جب تک وہ مقصد ھمارے سامنے نہ ھو جسے قرآن حکیم نے آپ کے لئے متعین کیا ہے ۔ اور جسے ختمی مرتبت صلی اللہ علیه وسلم بروئے کار لانا چاھتے تھے ۔ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں محروم افراد معاشرہ کے بوجھ کی تمام تر ذمہ داری نظام معاشرہ پر ھو اور یہ نظام معاشرہ وھی ہے جسے عام طور پر مدنی دور حکومت کہا جاتا ہے ۔ وہ دراصل اسی قسم کے معاشرے کے قیام کی اولین کوشش تھی ۔ سطح بیں نگاھیں لاکھوں مربع میل پر مشتمل حکومت اور اموال خراج و غنیمت تو دیکھتی ھیں ، لیکن انہیں وہ ذمہ داریاں دکھائی نہیں دیتیں جو اس معاشرے کے ناظم کے سر پر عاید تھیں ۔

ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس لاکھوں میل کی مملکت کے دائرے میں بسنے والے لاکھوں افراد تھے جنھیں کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا بہم پہنچانے کا مسئلہ تھا ۔ اس نظام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا رحمت للعالمین اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے ۔

اس نوزائیدہ مملکت کے ذرائع اور محاصل قطعاً اس کے مکتفی نہیں ہو سکتے تھے کہ تمام افراد بہ ہمہ وجوہ فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکتے ۔ اور چونکہ اس نظام میں مملکت کا سب سے بڑا رکن اپنا پیٹ اس وقت بھرتا ہے جب اسے اطمینان ہو جائے کہ تمام افراد مملکت نے پیٹ بھر کر کھا لیا ہے اور لباس اس وقت پہنتا ہے جب اسے یقین حاصل ہو کہ ہر فرد معاشرہ کو تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا میسر آ چکا ہے اس لئے اس کی اپنی زندگی بھی مملکت کے غریب ترین فرد کی زندگی ہوتی ہے ۔ یہ زمانہ تو پھر بھی مملکت کے آغاز کا دور تھا ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جب سلطنت کی حدیں دور دراز تک پھیل چکی تھیں خود خلیفہ کے تہہ بند میں بارہ پیوند نظر آتے تھے ۔ انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ عمر گیہوں کی روٹی اس وقت کھائے گا جب اسے یقین ہو جائے کہ مملکت کے ہر فرد کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے ۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو اس قدر یارا نہ تھا کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق معمولی حلوہ کھا سکیں ۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں افراد مملکت کو روٹی ملنے لگی تھی ۔ لیکن جو کی ، گیہوں کی نہیں ۔ اسی لئے خلیفة المسلمین جو کی روٹی کھا لیتے تھے ۔ اور حضرت علیؓ کی سادگی تو اس باب میں ضرب المثل کا حکم رکھتی ہے ۔ ع

کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمام افراد معاشرہ کو پیٹ بھر کر روٹی نہیں مل سکتی تھی ۔ جب حالات ایسے تھے تو سربراہ مملکت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فاقے کرنا پڑتے تھے ۔ یہ ہے صحیح توجیہ-اس حقیقت کی کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم حاکم وقت ہونے کے بعد بھی انتہائی عسرت کی زندگی کیوں بسر کرتے تھے ۔ یہ رہبانیت و خانقاہیت کے فقر و فاقے نہیں تھے ۔ بلکہ خدائی نظام کے داعی کی ذمہ داریاں تھیں جو انہیں اپنا پیٹ بھرنے سے روکتی تھیں ۔ آپ غور فرمائیے کہ اس توجیہ سے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور اگر اس حقیقت کو اس پس منظر میں پیش کیا جائے تو حضور کا یہ اسوہ ستائی ہوئی انسانیت کے لئے کس طرح سامان زیست مہیا کرنے کا ضامن بن جاتا ہے ۔

اس سلسلہ کی اگلی کڑی وہ روایات ھیں جن میں بتایا گیا ہے کہ مرض الموت کے ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے اور حضور فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو ۔ لیکن اس کے بعد حضور پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے ۔ آپ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ وہ دینار لے آؤ ۔ دیناروں کو حضور نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا ۔ محمد کا اپنے رب پر کیا گمان ہوگا جبکہ وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہوں ۔ پھر حضور اکرمؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا ۔ آپ کا یہ عمل بھی درھم و دینار سے راہبانہ نفرت کا مظاہرہ نہیں تھا ۔ بلکہ قرآن حکیم کی اس تعلیم کا آئینہ دار تھا جس کی رو سے فاضل دولت کے وجود کا تصور ھی نہیں کیا جا سکتا ۔ یعنی کسی شخص کے پاس اس کی ضروریات سے زائد دولت رہ ھی نہیں سکتی ۔ قرآن حکیم کے اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاضل دولت کبھی اپنے پاس نہیں رکھی ۔

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درھم چھوڑا نہ دینار ، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی (رواہ مسلم) ان اخلاق کو حضور کی عادیات میں شمار کرنا کسی طرح درست نہیں ۔ بلکہ یہ قرآن حکیم کے اس نظری فارمولے کے عین مطابق ہے جس میں یہ ارشاد ھوتا ہے کہ بیشک انسان ضرور باغی اور نافرمان ھو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ امیر ھو گیا ہے ۔

بعض سیرت نگار اور واعظ حضرات بیان کرنے کو تو بعض روایات کو بڑی خوش الحانی کے ساتھ بیان کر دیتے ھیں لیکن اس کے بعد اس احساس سے گھبرا اٹھتے ھیں کہ اگر کسی نے یہ پوچھ لیا کہ جب سنت رسول اور اسوۂ حسنہ یہی ہے تو پھر آپ حضرات کس طرح کہتے ھیں کہ اسلام میں بے حد و حساب دولت جمع کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے اور نہ ھی ملکیت زمین پر ۔ بلکہ بعض نام نہاد عالم یہ کہنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ مسلمان چاہے تو ساری دنیا کی دولت خرید لے اس پر کوئی قدغن نہیں ۔ چنانچہ اس مخمصے سے نکلنے کے لئے وہ اس نوع کی توجیہات پیش کرنے لگ جاتے ھیں کہ یہ احکام تو حضور کی ذات کے لئے مخصوص ھیں عام مسلمانوں کے لئے نہیں ۔ یا پھر تاویل کے ذریعے یوں مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جس قسم کی مثالی زندگی اللہ کا رسول بسر کرتا ہے اس تک پہنچنا افراد امت کے بس کی بات نہیں ۔ یہ توجیہات اس کشمکش سے نکلنے کی ناکام کوششیں ھیں جو حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ کے مذکورۂ بالا نقشہ اور واعظان کرام کے پیش کردہ تصور مذھب کے تضاد کا منطقی نتیجہ ہے ۔ قرآن حکیم کا ھر طالب علم جانتا ہے کہ دو چار احکام حضور کی ذات سے مختص تھے ۔ اور عامة المسلمین ان احکام کے مکلف نہیں ۔ (مثلاً ازواج مطہرات کا تعدد وغیرہ) ۔ ان کی صراحت قرآن حکیم کے اندر موجود ہے ۔ اگر مذکورۂ بالا

روایات کے احکام بھی ختمی مرتبت کی ذات سے مختص ہوتے تو ان کا ذکر بھی قرآن حکیم میں ضرور آتا ۔ چونکہ قرآن حکیم میں ان کا کوئی ذکر نہیں اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ احکام حضور کی ذات ھی سے مختص تھے ۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ جس راستہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے اس راستہ پر چلنا ممکن نہیں ۔ اگر اس کا اتباع ناممکن تھا اور ہے تو پھر اسوۂ حسنہ کی متابعت کو فرض عین قرار دینے کا مقصد ؟ اگر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو امت کے لئے اسوہ حسنہ نہیں بننا تھا تو پھر کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی کیا ضرورت تھی ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم اس لئے نازل کیا گیا کہ وہ بشری تقاضوں میں ھمارے جیسے تھے ۔ قل انما انا بشر مثلکم ۔ اور ان پر وحی اس لئے نازل کی گئی کہ وہ اسوۂ حسنہ کو قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر کا عملی نمونہ بنائیں ۔

در حقیقت واعظوں کے ھاں یہ کشمکش اس لئے پیدا ھوتی ہے کہ ان حضرات کے سامنے قرآن حکیم کا وہ نظام نہیں جسے عملاً متشکل کرنے کے لئے احمد مجتبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی ۔ جس نظام میں فاضل دولت کسی فرد کے پاس رھتی ھی نہیں اسمیں جائدادیں بنانے یا زر و سیم کے ڈھیر ترکہ میں چھوڑنے کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا ۔ حضور کے متعلق ارشاد ھوتا ہے کہ

و وجـــدک عـائـــلاً فـاغـنـــی

(ھم نے تجھے مفلوک الحال پایا پھر غنی بنایا)

حضور اکرم صلی اللہ عیله وسلم کو یہ تونگری ھماری محترم ماں حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح کرنے کے سلسلہ میں میسر ھوئی جو تجارت کرتی تھیں اور مکہ کے مشہور تجار میں شمار ھوتی تھیں ۔ مگر اس کے ساتھ

ساتھ حضور کی یہ جاں نثار بیوی تن من دھن سے حضور کی خدمت کرنا اپنے لئے سعادت خیال فرماتی تھیں ۔ اب سوال یہ پیدا ھوتا ہے کہ دولت کہاں گئی ۔ کیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نعوذ باللہ اتنے بھی ہوش مند نہ تھے کہ آجکل کے تاجروں کی طرح اپنے مال میں اضافہ کرتے ۔ حالات اور واقعات اس بات کی تردید کرتے ھیں کہ حضور کو اللہ تعالی نے ایسی تاجرانہ فہم عطا فرمائی تھی کہ شاید و باید ۔ مگر یہ دولت حضور نے عوام کی بھلائی کے لئے ان میں تقسیم کر دی ۔ احادیث میں ذکر آتا ہے کہ حضور دولت کو غریبوں میں تقسیم کرنے میں تیز آندھی سے بھی زیادہ تیز تھے ۔

آخر میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ قرآنی معاشرہ کی لازمی شق نہیں کہ اس میں سربراہ مملکت اور دیگر ارباب حل و عقد کی زندگی فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی ھوگی ۔ اس کی لازمی شق یہ ہے کہ اس میں ان ذمہ دار حضرات کا معیار زیست وھی ھوگا جو ملک کے عام افراد کا ھوگا۔ جوں جوں عوام کا معیار بلند ھوتا جائیگا ,, خواص ،، کا معیار بھی بلند ھوتا جائیگا ۔ اس میں ھر قسم کی آسائشیں اور فراوانیاں پہلے عوام کے لئے مہیا کرنی ھونگی ، جب یہ آسانیاں عوام کو میسر آ چکیں گی تو ان ,,خواص ،، کے لئے بھی جائز قرار پا جائیں گی ۔ یہ تھا معاشرہ کا وہ نقشہ جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم کرکے دکھایا ۔ لیکن جسے اس تصور مذہب نے جو ھمارے دور مفاد پرستی کی پیداوار ہے ,, روحانی ،، دنیا کا خواب کہکر ھماری عملی زندگی سے اوجھل کر دیا ۔ اور اس کے بعد اس معاشرہ کے فقط تذکرے واعظوں کی زبان پر رہ گئے تاکہ وہ مفلس اور نادار لوگوں کو یہ کہہ کر افیون کھلاتے رھیں کہ تم اس غریبی و ناداری سے قطعاً ملول خاطر نہ ھو یہ زندگی تو وہ ہے جسے امت کے سردار خدا کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا ۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ دولت چند خاندانوں میں سمٹ کر جمع ھو رھی ہے اور کچھ

لوگ نان شبینہ تک کے محتاج ھیں ۔

اسلامی ریاست میں دجلہ کے کنارے کا کتا بھی پیٹ بھر کر کھانے کا حق دار ہے اور یہ کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک مملکت ان خطوط پر متشکل نہ ہو جنہیں قرآن حکیم نے متعین کیا اور جن پر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ھاتھوں، باتقدس ھاتھوں نے دین کی عمارت استوار کی ۔

★ ★ ★ ★ ★